چھوٹی نعمت

ہم انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کو عام طور پر دو حصوں میں بانٹتے ہیں۔ایک بڑی نعمت اور دوسری چھوٹی نعمت۔چھوٹی بڑی نعمت کی تعریف ہر فرد کے حساب سے مختلف ہوسکتی ہے،مگر فرد کی نفسیات کے اعتبار سے اس کا معیار نعمت ملنے پر انسان کا ردعمل ہوتا ہے۔جس چیز کے ملنے پر انسان میں اہتزاز (Thrill) پیدا ہو اور وہ بے حد خوشی محسوس کرے وہ اس کے نزدیک بڑی نعمت ہوتی ہے۔اور جس چیز کے ملنے پر کوئی ردعمل نہ آئے وہ انسان کے نزدیک ایک چھوٹی اور معمولی نعمت ہوگی۔مثلاً پسند کی شادی کے وقت ایک نوجوان جتنا خوش ہوتا ہے پانی کا ایک گلاس پیتے وقت وہ کسی درجہ ویسی خوشی محسوس نہیں کرتا۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر نعمت بڑی نعمت ہے۔مثلاً شادی پر خوشیاں منانے والے نوجوان کا پانی اگر شادی سے صرف ایک دن پہلے بند کر دیا جائے تو نکاح کے وقت تک وہ اپنی دلہن کو بھول کر پانی کو زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بنا چکا ہوگا۔تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ وہ زندگی کی ہر بڑی نعمت کو مفت میں فراہم کرتے ہیں۔زندگی،صحت،عافیت،ہوا،پانی، رشتے ناطے یہ وہ نعمتیں ہیں جو عموماً انسانوں کو بلا روک ٹوک اور بلا مشقت مل جاتی ہیں۔

جو نادان شعور نہیں رکھتے وہ ایسی نعمتوں کو چھوٹی نعمت سمجھتے ہیں یا اکثر اوقات انہیں کوئی نعمت سمجھتے ہی نہیں۔لیکن جو لوگ حقیقی ایمان رکھتے ہیں وہ اس احساس سے تڑپ اٹھتے ہیں کہ ان کے مہربان رب نے ضرورت کی ہر چیز انہیں بے حساب اور بالکل مفت دے رکھی ہے۔ان کی آنکھیں شکر گزاری کے احساس سے بہنے کے لیے کسی بڑی نعمت کی منتظر نہیں رہتیں بلکہ صبح و شام وہ رب کے احسان کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنہیں عنقریب جہنم کی آہ و زاری سے بچا کر جنت کی ختم نہ ہونے والی نعمتوں میں بسا دیا جائے گا۔

پاکیزگی کا راستہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بڑی فضیلتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان فضائل میں سے ایک نمایاں فضیلت صفائی اور نظافت کا وہ احساس ہے جو انسانوں کو دوسری مخلوقات سے افضل بناتا ہے۔ یہ احساس انسانوں میں اتنا زیادہ ہے کہ جب ایک سروے میں دور جدید کی سب سے اہم ایجاد کے بارے میں پوچھا گیا تو اکثریت نے واش روم سے گندگی کے خودکار اخراج کے فلش سسٹم کو دور جدید کی سب سے مفید ایجاد قرار دیا۔

تاہم صفائی اور پاکیزگی کے بارے میں آخری درجے میں حساس انسان کا یہ عجیب المیہ ہے کہ وہ جس چیز کو استعمال کرتا ہے اسے گندا کر دیتا ہے۔ گھر اور برتن سے لے کر ہوا اور خوراک تک جو چیز ہمارے استعمال میں آتی ہے آخرکار گندی ہوجاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے جسم سے جو چیز بھی نکلتی ہے وہ گندگی، بدبو اور ناپاکی کا کوئی نہ کوئی پہلو لیے ہوئے ہوتی ہے۔ یہ اس انسان کا معاملہ ہے جو کرہ زمین پر حیات کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکل ہے...... جو شعور اور ارادہ، علم و آگہی، ذوق جمال اور احساس نظافت رکھتا ہے۔

مگر ایک ایسی ہستی بھی ہے جو اپنی ذات میں بھی پاک ہے اور جس چیز کو استعمال کرتی ہے، اسے بھی پاکیزہ کر دیتی ہے۔ یہ اللہ پروردگار کی ہستی ہے۔ ایک بدترین انسان بھی اگر خود کو اس پاک ہستی کے استعمال کے لیے وقف کر دے تو یہ پاکیزہ ہستی اس ناپاک انسان کی ایک ایک بری عادت کو چھڑا کر اسے پاکیزہ انسان بنا دیتی ہے۔ وہ اس کی سیرت، شخصیت، جسم، روح اور اخلاق غرض ہر چیز کا میل دھو کر اسے صاف و شفاف کر دیتی ہے۔ پھر قیامت کے دن اس انسان کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے جسم کی ہر حیوانی گندگی کو بھی دور کر کے اسے سراپا نور بنا دے گا۔ چیزوں کو آلودہ کر دینے والے انسان کے پاس پاکیزگی کا یہی ایک راستہ ہے۔

صبر اور معقولیت

پچھلے دنوں ایک دانشور نے پاکستانی قوم کا مرثیہ پڑھتے ہوئے لکھا کہ ہم کچھ چیزیں سیکھنے کے لیے بنے ہی نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک صبر ہے اور دوسری معقولیت۔ ہمارے نزدیک یہ خرابی ہماری قوم سے زیادہ ان لوگوں کی کمزوری ہے جو قوم کی تربیت کے مقام پر فائز رہے ہیں۔ ہمارا المیہ ہے کہ ہماری قوم کو عشروں سے اس بات کی تعلیم دی ہی نہیں گئی کہ صبر کیا ہوتا ہے اور معقولیت کس چیز کا نام ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں جذباتی اندازِ فکر کو پروان چڑھایا گیا ہے۔ جبکہ صبر اور معقولیت ہی وہ راستے ہیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کے ضامن ہیں۔

صبر اور معقولیت کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید ان دونوں کی تلقین سے بھرا ہوا ہے۔ یہ دونوں اعلیٰ ترین انسانی رویے ہیں جو کسی جانور میں نہیں پائے جاسکتے۔ یہ دو چیزیں اتنی بڑی ہیں جن کو جاننے کے بعد کوئی سچا مسلمان اور باشعور انسان ان چیزوں کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتا۔ پھر اپنی ذات میں بھی یہ اعلیٰ ترین اوصاف ہیں۔

صبر بزدلی کا نہیں بلکہ حقیقت پسندی کا نام ہے۔ یہ اپنی کمزوری کو جان کر خارج میں کوئی اقدام کرنے کے بجائے اس کمزوری کو دور کرنے کا نام ہے۔ یہ نامساعد حالات میں بھی اعلیٰ اصولوں پر قائم رہنے کا نام ہے۔ اسی طرح معقولیت علم و فہم کے بطن سے پھوٹتی ہے۔ یہ جلد بازی، سطحیت اور جذباتیت کی دلدل میں کودنے کے بجائے حکمت، بصیرت، دانائی اور سمجھ بوجھ کے ساتھ اقدام کرنے کا درس دیتی ہے۔ یہ جذبات کی رو میں بہہ کر رائے قائم کرنے کے بجائے تفکر اور تدبر کی دعوت دیتی ہے۔

اگر ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ترقی کی راہ پر ڈالنا ہے تو صبر اور معقولیت کی تلقین کرنے والوں کی بات سننا ہوگی۔ اس کے سوا ہر دوسرا راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے۔

مرد کی نگاہیں

قرآن مجید پر گہری نظر رکھنے والے یہ حقیقت اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن برائیوں میں مبتلا ہونے سے لوگوں کو شدت کے ساتھ روکا اور ان کی مذمت کی ہے ان میں ایک نمایاں نام بدکاری اور زنا کا ہے۔ زنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی سخت برائی ہے کہ اس پر ابدی جہنم کی وعید ہے، (فرقان 68:19) اور اسی لیے اس کے قریب پھٹکنے سے بھی منع کیا گیا ہے، (بنی اسرائیل 32:17)۔ تاہم بدکاری اور زنا سے معاشرے کو بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ مرد و زن کے اختلاط پر پابندی لگا دی۔ ایسے غیر فطری ذرائع اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کا طریقہ نہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے ہمیں تفصیل کے ساتھ وہ آداب اور احکام سکھائے ہیں جو ایسے مواقع پر ہمارے نفس میں پاکیزگی پیدا کرتے اور زنا کی گندگی میں پڑنے سے ہمیں بچاتے ہیں۔

ہمارے ہاں عام طور پر ان احکام کو پردے کے احکام کہا جاتا ہے۔ یہ نام ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا دیا ہوا نہیں۔ عنوان قائم کر کے احکام بیان کرنا قرآن مجید کا طریقہ نہیں۔ تفہیم مدعا کے لیے اہل علم یہ طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ تاہم ان احکام کو ''پردے کا حکم'' کے عنوان سے بیان کرنے کے نتیجے میں ایک ایسی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے جو بڑے فساد کا سبب بن رہی ہے۔

پردے کے لفظ سے جو تصور ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان احکام کا تعلق صرف خواتین سے ہے۔ بلاشبہ ان احکام میں خواتین کو مخاطب کر کے کئی ہدایات دی گئی ہیں، مگر قرآن مجید بالکل واضح ہے کہ یہ احکام عورتوں کے ساتھ مردوں کو بھی دیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ احکام شروع ہی مردوں کے ذکر سے ہوتے ہیں اور انہیں پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، (النور)۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں پردے کے حوالے سے ہمیشہ خواتین زیر بحث آتی ہیں۔ کبھی مردوں کو مخاطب کر کے انہیں نہیں بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کیا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ آیت وہ

بنیادی مطالبہ سامنے لے آتی ہے جو مردوں سے کیا گیا ہے اور آج کے معروضی حالات میں اس مطالبے کو مردوں کے سامنے لانے اور اس پر عمل کرنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

آج ہم جس دور میں زندہ ہیں اس میں زنا کی طرف لانے والی خواتین وہ مسلمان خواتین نہیں ہیں جو ہمارے اردگرد پائی جاتی ہیں۔الحمداللہ آج کے گئے گزرے دور میں بھی جب بہت سی خواتین اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام کی پابندی نہیں کرتیں تب بھی عام پاکستانی خواتین کا لباس بہت مہذب ہوتا ہے۔آج کے دور کا اصل فتنہ میڈیا اور انٹرنیٹ پر موجود خواتین کے وہ جلوے ہیں جو مذہب تو کیا تہذیب، اخلاق اور شائستگی کے کسی معیار پر بھی پورے نہیں اترتے۔

ظاہر ہے ان خواتین کو دین کے احکام سنانا ممکن ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ان حالات میں مردوں کی یہ عادت کے وہ نگاہیں جھکا کر نہیں رکھتے بیشتر فساد کا سبب بن رہی ہے۔ایسے میں مردوں کو یہ بتانا لازمی ہے کہ ''پردے'' کے احکام کا پہلا حکم انہیں دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ مرد اپنی نگاہیں جھکا کر رکھیں۔ وہ کسی عریاں یا نیم عریاں خاتون ، غیر شائستہ منظر، جنسی جذبات بھڑکا دینے والے نظارے کو دیکھ کر لطف اندوز ہونے سے بچیں۔ اگر اتفاقیہ نظر پڑ جائے تو فوراً نظر پھیر لیں۔ یہ عادت جب ایک دفعہ پڑ جائے گی تو اردگرد موجود کسی خاتون کا غیر شائستہ لباس یا رویہ بھی ایسے انسان کو متاثر نہیں کر سکتا۔مغرب میں رہنے والے صالح مسلمان اسی طریقے سے برائی سے بچتے ہیں۔ یہ حکم اتنا اہم ہے کہ سب سے پہلے مردوں کو مخاطب کر کے یہ حکم انہیں دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے زنا کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مردوں کی جھکی ہوئی نگاہیں ہیں۔ جب تک یہ نگاہیں اٹھی رہیں گی خواتین کا کوئی پردہ معاشرے سے زنا ختم نہیں کر سکتا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

جلال، جمال اور کمال رب

انسان کی معلوم کائنات دو دنیاؤں کا مجموعہ ہے۔ ایک خدا کی تخلیق کردہ دنیا ہے۔ یہ دنیا زندگی اور اس کی ہر رعنائی کا آخری نشان ہے۔ اس دنیا میں بے پناہ حسن ہے۔ بے حد توازن ہے۔ رنگ وخوشبو کی دل آویزی ہے۔ نغمہ و آہنگ کی دلکشی ہے۔ نور ولطافت کے ان گنت دریچے ہیں۔ لمس و لذت کے بے شمار جھروکے ہیں۔ زیست کی حرارت ہے۔ تاروں کی جگمگاہٹ ہے۔ جگنوؤں کی روشنی ہے۔ شفق کی لالی ہے۔ ہوا کی سرسراہٹ ہے۔ ساز کی دلکشی ہے۔ آواز کا سرور ہے۔ غرض حیاتِ مستعار کسی بھی خوبی کا تصور کر لے اس کا ایک مکمل نمونہ یہاں موجود ہے۔ یہ دنیا خداوند لازوال کے بے انتہا کمال کا ایک ادنیٰ تعارف ہے۔ مگر یہ کمال جمال کی رنگ آمیزی سے عبارت ہے۔

دوسری دنیا انسان کی اپنی دنیا ہے۔ اس دنیا پر موت کا راج ہے۔ یہاں فنا کی حکمرانی ہے۔ یہاں زلزلے ہیں۔ بجلیاں ہیں۔ سیلا ب ہیں۔ طوفان ہیں۔ بیماریاں ہیں۔ بڑھاپا ہے۔ معذوری ہے۔ محتاجی ہے۔ غم والم ہے۔ مایوسی وحزن ہے۔ خوف وملال ہے۔ دکھ کی جلن ہے۔ پچھتاوے کی آگ ہے۔ یہاں بے گناہ قتل ہوجاتے ہیں۔ معصوم سزا پاتے ہیں۔ کمزور ظلم کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ ہنر مند بے سہارا اور باصلاحیت بے روزگار رہ جاتے ہیں۔ غرض موت ہر قبا پہنے اور پریشانی ہر ردا اوڑھے اس دھرتی اور اس کے باسیوں کو ہر روز اپنا نشانہ بناتی ہے۔ یہ دنیا گرچہ خدا کی رضا سے نہیں مگر اس کے اذن سے یقیناً ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بھی خدا کے کمال کا ادنیٰ تعارف ہے۔ مگر یہ کمال اس کے جلال کا عکس لیے ہوئے ہے۔

موت وزندگی کا یہ سلسلہ نجانے کب سے شروع ہوا اور کب تک چلے گا۔ کوئی نہیں جانتا۔ مگر جو ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ عنقریب انسان کی معلوم یہ دو دنیائیں ختم ہوجائیں گی۔ پھر

ایک نئی دنیا قائم ہوگی۔اس دنیا میں خدا ایک دفعہ پھر اپنے جلال و کمال اور اپنے جمال و کمال کی صناعی سے دو دنیائیں تخلیق کرے گا۔مگر یہ دو دنیائیں اس کے کمال و جمال وجلال کا تعارف نہیں بلکہ اس کا مکمل نمونہ ہوں گی۔

ان میں سے پہلی دنیا جنت کی دنیا ہوگی۔اس دنیا میں صرف جمال خداوندی کا ظہور ہوگا۔مگر ہر جمال کمال کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوگا۔ زندگی ہوگی مگر موت سے بے خوف۔ جوانی ہوگی مگر بڑھاپے سے بے پروا۔حسن ہوگا مگر زوال سے نا آشنا۔لذت ہوگی مگر ہر بیزاری سے محفوظ۔ سکون ہوگا مگر ہر اندیشے سے مامون۔الحمد لله و سبحان الله۔ تعالیٰ جد ربنا۔

دوسری دنیا جہنم کی دنیا ہوگی۔اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں، محرومی، مایوسی، بھوک، پیاس، تڑپ، بے بسی، پچھتاوے غرض عذاب اور آگ کے اتنے روپ ہوں گے کہ گنے نہ جاسکیں۔ یہ سب بھی کمال درجہ میں ہوگا۔مگر یہ کمال جلال وغضب کی اس تپش سے عبارت ہوگا جس سے سرزمین دوزخ کا ذرہ ذرہ سلگ رہا ہوگا۔سبحان الله و الله اکبر۔تعالیٰ جد ربنا۔

پہلی بستی کو دو قسم کے لوگ بسائیں گے۔ایک وہ جو اِس دنیا میں اپنے مالک سے بے پروا ہوکر نہیں جیے۔جو حکم سامنے آیا انھوں نے مانا۔ جہاں غلطی ہوئی معافی مانگ لی۔ایمان واخلاق کے تقاضوں کو چاہے ان کی زندگی نہ بنے ،مگر مقدر بھر وہ ان کو بجالاتے رہے۔دوسرے وہ جو جنت کی اعلیٰ بازی لے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے خدا کو اپنی زندگی بنالیا۔وہ ہر لمحہ اس کی یاد اور محبت میں جیے۔زندگی کے ہر سرد و گرم میں اس کے سامنے جھکے رہے۔اس کے دین کی نصرت میں سعی و جہد کرتے رہے۔عبادت رب میں سرگرم رہے۔ایک اندیکھا خدا ان کی زندگی بن گیا۔ سو روز قیامت جب خدا دکھائی دیا تو اس نے انہیں ابدی طور پر اپنے قرب سے نواز دیا۔

دوسری بستی کے باسی بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے۔ پہلے وہ جو سرکشی کرتے رہے۔ظلم وفساد

مچاتے رہے۔ قتل و رہزنی جن کا شیوہ اور فسق و فجور جن کا پیشہ رہا۔ جن کے سامنے سچ آ گیا، مگر جانتے بوجھتے انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ انہوں نے حق کو حق کی شکل میں دیکھ لیا۔ مگر کبر نخوت نے ان کی گردن میں سریہ لگا دیا۔ ان کے سر نہ جھکے۔ پیشوائی، تعصب، مفاد پرستی جن کے دلوں کی بیماریاں اور حسد و کبر جن کے سینوں کا روگ تھا۔ ان کا روگ ان کو لے ڈوبا۔ اور ڈوبا بھی اس بستی میں جہاں ہر طرف عذاب کی بارش ہو رہی ہے۔

اس بستی کے دوسرے مکین وہ ہیں جن کے دل غفلت کا شکار رہے۔ دنیا کے مزوں اور لطف نے ان کو اندھا کر دیا۔ بدکاری اور بدی نے ان کی زندگی کا احاطہ کرلیا۔ وہ جانور بن کر جیے اور پیٹ و فرج کے تقاضوں سے اوپر اٹھ کر نہ دیکھ سکے کہ جمال و کمال کی کس دنیا میں وہ بسائے گئے ہیں۔ وہ خدا کی اس تعارف گاہ کو ایک چراگاہ سمجھے۔ معرفت، عبادت اور عبادت کی خوراک کے بجائے گناہ اور معصیت کا رزق ان کا مقدر بنا۔ انہوں نے معرفت رب کا ایک دفعہ ملنے والا یہ موقع ہمیشہ کے لیے گنوا دیا۔ یہ غافل بھی سرکشوں کے ساتھ جلال الٰہی کی ناقابل برداشت تپش کا سامنا کریں گے۔

ہم سب ان چار گروہوں میں سے کسی ایک گروہ میں ہیں۔ زیادہ وقت نہ گزرے گا کہ سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کون تھا جو خدا کی آہٹ پر ڈرنے والا تھا اور کون تھا جو انذار آخرت کی ہر گرج کے بعد بھی غفلت کی نیند سویا رہتا تھا۔ کون ہے جو سراپا حمد تھا اور کون تھا جو سرکشی کا پیکر تھا۔

مشکل میں اللہ کو یاد رکھنا مشکل نہیں
اصل مشکل آسانی میں اسے یاد رکھنا ہے

شیر، درخت اور شکار

میں ہمیشہ لوگوں کو مثبت اندازفکر اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ بدترین حالات میں بھی کوئی نہ کوئی مثبت اور امید افزا بات لوگوں کے سامنے رکھنا میری عادت ہے۔ پچھلے دنوں ایک عزیز دوست نے میری اس عادت پر مجھے اردو کے ایک بڑے مزاح نگار کا مثبت اندازفکر پر تبصرہ اس طرح سنایا کہ جنگل میں ایک شخص کے پیچھے شیر لگ گیا۔ وہ شخص جان بچانے کے لیے دیوانہ وار بھاگا اور ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے شیر آیا اور اسے درخت پر چڑھا دیکھ کر غصے سے دھاڑنے لگا۔ اب ایسے میں وہ شخص اردگرد کے خوبصورت مناظر دیکھ کر ان سے لطف اندوز ہونے لگے تو یہ مثبت اندازفکر کی ایک مثال ہے۔

میں یہ بات سن کر بہت محظوظ ہوا۔ پھر ان کی تصحیح کرتے ہوئے عرض کی کہ مثبت اندازفکر یہ نہیں کہ انسان شیر کی موجودگی میں درخت سے اردگرد کے دلکش نظارے دیکھ کر لطف انداز ہو۔ درحقیقت مثبت اندازفکر اس بات کو دیکھنا ہے کہ آپ کے پیچھے شیر لگا تھا، چیتا نہیں۔ چیتا اتنا تیز رفتار ہوتا ہے کہ وہ آپ کو درخت تک پہنچنے ہی نہیں دیتا۔ کسی طرح آپ درخت پر چڑھ بھی جاتے تو وہ شیر کی طرح نیچے کھڑے ہوکر دھاڑنے کے بجائے درخت کے اوپر چڑھ کر آپ کو چیر پھاڑ دیتا۔ اس ضمن کی آخری بات یہ ہے کہ بھوکا شیر زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ جلد یا بدیر کسی اور شکار کی تلاش میں نکل جائے گا۔ جس کے بعد جان بچانے کا پورا موقع مل جائے گا۔

میرا یہ جواب ایک لطیف بات کا لطیف جواب ہی نہیں درحقیقت اس بات کی وضاحت بھی ہے کہ مثبت اندازفکر درحقیقت کیا ہوتا ہے۔ مثبت اندازفکر اپنے مسائل کو بھول کر بے فکری کے ساتھ جینے کا نام نہیں۔ اسی طرح یہ بے حس ہوجانے یا ہر مشکل کو نظرانداز کر کے اچھی امیدیں رکھنے کا نام بھی نہیں۔ مثبت اندازفکر دراصل گہرے غوروفکر اور تجزیے کے بعد

ان مثبت حقیقتوں کو دریافت کر لینے کا نام ہوتا ہے جو بظاہر ہمیں نظر نہیں آتیں، لیکن وہ اگر نہ ہوں تو ہمارے حالات بد سے بدترین کی طرف گامزن ہوتے چلے جائیں۔

مثال کے طور پر جو لوگ غربت اور تنگ دستی کے ہاتھوں پریشانی کا شکار ہوتے ہیں، وہ اپنے حالات کا دکھڑا روتے رہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ زندگی، صحت، اعضا کی سلامتی وغیرہ وہ نعمتیں ہیں جو الحمدللہ ابھی بھی ان کے پاس موجود ہیں۔ وہ اپنے منفی اندازِ فکر کی بنا پر پریشان ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی صحت بھی متاثر ہونے لگتی ہے۔ غربت کے ساتھ جب بیماری گھر میں داخل ہو جائے تو مالی بحران سنگین سے سنگین ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس یہ لوگ پریشانی کے بجائے جو ملا ہے اس پر قناعت کی راہ اختیار کرتے تو اپنی صحت ہاتھ سے نہ گنواتے۔ مزید یہ کہ وہ منفی حالات کا رونا روتے رہنے کے بجائے اِن ہی حالات میں موجود امکانات کو استعمال کر کے مالی ترقی کے مواقع پیدا کر سکتے تھے۔ میں اس بات کو مختصراً اس طرح بیان کرتا ہوں کہ آنکھیں مواقع دیکھنے کے لیے ہوتی ہیں مسائل پر آنسو بہانے کے لیے نہیں۔ جو شخص اپنے حالات پر رو رہا ہو، اس کے آنسو اس کی آنکھوں کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتے کہ وہ اردگرد کچھ دیکھ سکے۔ اس کے لیے حوصلہ کر کے صبر کرنا پڑتا ہے۔ پھر آنکھیں ترقی کے مواقع دیکھتی اور مسائل کے باوجود ملے ہوئے امکانات کو تلاش کر لیتی ہیں۔

یہی معاملہ اجتماعی معاملات کا ہے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھیے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ جنرل مشرف کی پالیسیوں اور اقتدار سے بہت نالاں تھے۔ وہ جنرل صاحب کی پالیسیوں پر روتے رہے مگر یہ نہیں دیکھ سکے کہ جنرل صاحب کے دور میں ملک کے معاشی معاملات بہت بہتر تھے۔ بعد میں جو حکومت آئی اس نے نہ صرف جنرل صاحب کی پالیسیوں کو جاری رکھا بلکہ معاشی طور پر بھی ملک کا بیڑا غرق کر دیا۔

آج بھی ہمارے برے حالات میں خیر کے کئی پہلو تلاش کیے جا سکتے ہیں۔سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ ہمارے ہاں جمہوریت ہے اوراب پانچ سال بعد یہ موقع آچکا ہے کہ لوگ اگر حکومت سے نالاں ہیں تو وہ تبدیلی کے لیے اٹھیں۔خود بھی گھر سے نکلیں ، دوسروں کو بھی ووٹ ڈالنے کے لیے گھر سے نکالیں اور حکومت بدل دیں۔ بندوق اٹھانے اور احتجاج میں مار کھا کر حکومت بدلوانے کی کوشش کرنے کے مقابلے میں یہ تبدیلی کا بہت آسان طریقہ ہے جو آج بھی موجود ہے۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی محفلوں اورفیس بک کے صفحات میں دل کی بھڑاس نکالتے رہیں اورمعاشرے میں تبدیلی خودبخود آجائے گی تو یہ منفی اندازفکر ہے۔منفی اندازفکر کی تعریف ہی یہی ہے کہ منفی چیزوں کودیکھتے رہنےاورموقع ملنے پربھی اپنی جگہ سے نہ ہلنے کا نام ہے۔شروع میں بیان کیے گئے واقعے میں اس کی تمثیل یہ ہے کہ شیر کے جانے کے بعدبھی وہ آدمی درخت پر چڑھا رہےاورکسی محفوظ جگہ پر جانے کی کوشش نہ کرے۔

جبکہ مثبت اندازفکر بدترین حالات میں موجود امکانات کوتلاش کرنا اورموقع ملنے پر انہیں استعمال کرنے کا نام ہے۔ ہماری قوم اور خاص کر ہمارے نوجوانوں کو یہ کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر انفرادی زندگی میں کوئی خیر آسکتا ہے نہ اجتماعی زندگی میں۔منفی اندازفکر موت ہے جو جلد یا بدیر ہمیں حالات کا شکار بنادے گا۔

منفی سوچ وہ زہر ہے جس کا ایک قطرہ بھی دماغ کی ہر مثبت سوچ کو آلودہ کردیتا ہے

پروفیسر محمد عقیل

اقتدار

کہتے ہیں کہ تمام نشوں میں اقتدار کا نشہ سب سے زیادہ پر اثر ہوتا ہے۔ عام طور پر انسان اس نشے میں بدمست ہوکر اپنی اوقات بھول جاتا اور خود کو خدا سمجھنے لگتا ہے۔ جس حاکم کے تسلط میں وسیع وعریض علاقہ، کثیر فوج، مال و دولت کی فراوانی اور اطاعت گذار رعایا ہو اس کا اقتدار اتنا ہی مضبوط گردانا جاتا ہے۔ لیکن اقتدار مضبوط ہو یا کمزور، اس کی خامی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ ایک نہ ایک دن یہ کسی دوسرے حاکم کی یلغار سے ڈھ جاتا ہے یا پھر موت کا ہرکارہ اسے حکمران سے چھین لیتا ہے۔

انسانوں کی حاکمیت کے برعکس خدا کا اقتدار بھی ہے۔ یہ اقتدار عارضی نہیں دائمی ہے، یہ اقتدار کسی زمین کے مخصوص ٹکڑے پر نہیں بلکہ زمین، آسمان، چاند سورج، ستاروں، کہکشاؤں غرض پوری کائنات پر ہے۔ یہ اقتدار کسی دوسرے حاکم کی یلغار سے ختم نہیں ہوسکتا۔ اس کا حکم ہر شے پر جاری ہے۔ عالم اصغر میں الیکٹران اسی کے حکم سے محوگردش ہے تو عالم اکبر میں سورج زمین کے پھیرے لگانے میں مصروف ہے۔ نباتات اسی کے حکم پر پھل اور پھول پیدا کررہے ہیں تو رنگ برنگے پرندے تعمیلِ حکم میں دنیا کو رنگین کررہے ہیں۔ کہیں پہاڑ کی ایستادگی خدا کی اطاعت کا مظہر ہے تو کہیں بہتے دریا اس کے اقتدار کو اپنے اوپر نافذ کئے ہوئے بہہ رہے ہیں۔

اس لامتناہی طاقت اور اقتدار کے باوجود خدا بڑا اعالی ظرف ہے۔ وہ انسانوں کی طرح اپنی طاقت کے نشے سے مغلوب نہیں ہوتا۔ وہ اس بے پناہ قوت، شان اور شوکت کے باوجود اپنی مخلوق کے ساتھ بہت رحیم، شفیق، مہربان اور نرمی برتنے والا ہے۔ چنانچہ آج

ملحدین اس کا انکار کررہے ہیں لیکن وہ انہیں رزق دے رہا ہے۔ آج لوگ اس کی نافرمانی میں شراب وکباب کی محفلیں جمائے بیٹھے ہیں لیکن وہ صرف نظر کررہا ہے۔ آج وحشی اسکی مخلوق کو ناحق قتل کررہے ہیں لیکن وہ قاتلوں کو ڈھیل دے رہا ہے۔ آج لوگ اسے بھول کر دنیا میں مست ہیں لیکن وہ اپنا جود وکرم جاری رکھے ہوئے ہے کہ شاید یہ نافرمان لوگ مان جائیں اور پلٹ کر اپنے رب کی بندگی میں آجائیں۔ کوئی ہے ایسا بادشاہ جو اتنا شفیق اور مہربان ہو؟ کوئی ہے ایسا حاکم جو قہر کرنے میں اتنا دھیما ہو؟ کوئی ہے ایسا مقتدر جو اپنے نافرمانوں کو اتنا موقع دے؟

لیکن یہ خدا کے اقتدار کا ایک رخ ہے۔ اس کا دوسرا پہلو آخرت ہے۔ اس روز یہ بادشاہ حقیقی مہلت ختم کر کے اپنی شفقت ومہربانی صرف اپنے فرمانبرداروں کے لئے مخصوص کردے گا۔ دوسری جانب ناہنجاروں کو اس شفقت سے محروم کردیا جائے گا۔ چنانچہ آیئے اور آج اس مہلت سے فائدہ اٹھالیجئے۔

برائی سے بچنے کا آسان حل
لوگوں کو برائی سے روکنا ہے
کیونکہ اس کے بعد لوگ آپ کو
برائی نہیں کرنے دیں گے

پروفیسر محمد عقیل

مشکلات میں جینے کا فن (1)

تعارف

اگر آپ کو شدید بخار ہو تو دنیا کی تمام نعمتیں آپ کے لئے بے معنی ہو جاتی ہیں۔ بہترین سے بہترین کھانا بے لذت اور مشروب بد ذائقہ لگنے لگتا ہے۔ اردگرد کے حسین مناظر بدنما لگتے، پرکشش آسائشیں بے معنی ہو جاتیں اور تمام دلچسپیوں سے بے زاری ہو جاتی ہے۔ اگر بخار کا مناسب علاج نہ کیا جائے تو اس سے کئی مزید جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں جنم لیتی ہیں جو آپ کو آہستہ آہستہ موت کے دہانے تک بھی لے جاسکتی ہیں۔

بالکل یہی معاملہ نفسیاتی بیماریوں کا ہے۔ اگر آپ کسی شدید ذہنی پریشانی کا شکار ہو جائیں تو کم و بیش یہی نتائج نکلتے ہیں۔ آپ ٹینشن کے باعث کھانے پینے کی خواہش میں کمی محسوس کرتے، سکون سے محروم ہو جاتے، خوشیوں کو نظر انداز کرتے اور مایوسی و ناامیدی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس ذہنی بیماری کے نتیجے میں کئی جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں حملہ آور ہوتی رہتی ہیں جن کا بروقت تدارک نہ کیا جائے تو نتیجہ یا تو ایک انتہائی تکلیف دہ زندگی کی صورت میں نکلتا ہے یا پھر اس کا انجام ایک تکلیف دہ موت ہے۔

آج کے دور میں لوگ بالعموم بے شمار مسائل کا شکار ہیں۔ غیر ترقی یافتہ ممالک میں بے روزگاری، لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، لوٹ مار، قتل و غارت گری اور اس طرح کے دیگر مسائل نے لوگوں کا جینا محال کر دیا ہے۔ دوسری جانب ترقی یافتہ ملکوں کے شہری بے راہ روی، خاندان کی ٹوٹ پھوٹ، معاشی خوف، بے مقصدیت اور کئی نفسیاتی عوارض سے پریشان ہیں۔ ان پریشانیوں میں نوجوان اور بوڑھا، امیر اور غریب، مزدور و آجر، پڑھا لکھا اور جاہل، عورت اور مرد سب مبتلا

ہیں۔ان میں سے ہر شخص اپنی پریشانیوں سے نجات حاصل کرکے ایک صحت مند شخص بننا چاہتا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ اس میں سکون،اعتماد،پرامیدی اور امنگ پیدا ہو۔وہ بھی شوگر،ہارٹ،السر،تیزابیت،سر کا درد،بلڈ پریشر،گٹھیا اور تھائی رائیڈ جیسی کئی ممکنہ جسمانی بیماریوں سے دور رہے۔وہ بھی نفرت،غصہ،ٹینشن،بے چینی وگھبراہٹ،خوف،تکان اور دیگر نفسیاتی وذہنی امراض سے نجات حاصل کرے۔وہ بھی صبح کی تازگی کو انجوائے کرے،رات کی تاریکی سے لطف اٹھائے،پرندوں کی نغمگی سے مسحور ہو اور نیند کی حسین وادی میں کھو جائے۔

ایک پرسکون اور پریشانیوں سے مبرا شخصیت کو صرف یہ دنیاوی فائدے ہی نہیں ملتے بلکہ اس سے اس کی اخروی زندگی بھی پروان چڑھتی ہے۔ایک نفسیاتی طور پر مضبوط شخص اپنے رب کے احکامات سے روگردانی نہیں کرتا،وہ مضبوط قوت ارادی سے عبادات اور معاملات میں پابندی برقرار رکھتا،نفس کی ناجائز خواہشات کا قلع قمع کرتا اور شیطان کی چالاکیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔

اس ماہ سے ہم رسالے میں ایک سلسلے کا آغاز کررہے ہیں۔اس کا مقصد آپ کو پریشانیوں سے نجات فراہم کرکے ایک پرسکون،خوشیوں اور توانائی سے بھرپور زندگی سے روشناس کرانا ہے۔ہماری اس تحریر کی بنیاد ڈیل کارنیگی کی شہرہ آفاق کتاب "پریشان ہونا چھوڑیئے اور جینا شروع کریں "پر رکھی گئی ہے۔اس کتاب کا اصل نام ہے

How to stop worrying and start living

اس کتاب میں ڈیل کارنیگی نے پرسکون زندگی کے کچھ اصول بیان کئے ہیں۔اس تحریر میں انہی اصولوں کو استعمال کرتے ہوئے ہم آپ کو راہنمائی فراہم کریں گے۔اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہم ہر اصول پر قسط وار آرٹیکلز اور کیس اسٹڈی شائع کریں گے۔ان مضامین میں آپ کو پریشانیوں سے نجات کے اصول اپنانے کا طریقہ کار اور مشقیں بتائی جائیں گی۔اس کے ساتھ

ہی آپ کی ای میل کے ذریعے مسلسل راہنمائی کی جائے گی۔ چنانچہ آپ سے گذارش ہے کہ ان مختصر مضامین اور کیسز کو غور سے پڑھیں بلکہ دو سے تین مرتبہ پڑھیں ۔ پھر ان میں بیان کردہ اصولوں پر عمل درآمد کریں۔

اصول نمبر ا۔ آج کے لئے زندہ رہیں

کیس اسٹڈی

''احمد چھٹی کی وجہ سے صبح دیر سے سوکر اٹھا۔ باہر نکلا تو موسم بہت سہانا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش درخت کے پتوں کو غسل دے رہی تھی ۔ مٹی سے اٹھنے والی مہک نے فضا کو مسحور کر دیا تھا، بادلوں کی گھن گرج ایک موسیقی بکھیرے دے رہی تھی ۔ احمد کو یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ جنت میں ہو۔ اسے بہت اطمینان محسوس ہونے لگا۔ وہ مناظر میں اتنا گم ہوا کہ اپنے سارے غم بھلا بیٹھا۔ وہ اسی شوق و مستی کے عالم میں ایک گھنٹے تک بیٹھا رہا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ کل اس کی دفتر میں ایک اہم میٹنگ ہے اگر اس میٹنگ میں بات بن گئی تو ایک بہت بڑا کانٹریکٹ مل جائے گا۔ وہ میٹنگ کی تیاری مکمل کر چکا تھا۔ لیکن اس کا خیال آتے ہی موسم کا مزا کرکرا ہو گیا اور وہ آنے والے کل کے اندیشوں میں گرفتار ہو گیا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ رو بہک گئی اور اسے یہ بھی یاد آیا کہ کل اس کے باس نے کس طرح اس کی بے عزتی کی تھی ۔ یہ سوچ کر اس کا خون کھولنے لگا۔ موسم اتنا ہی خوبصورت تھا، مناظر اتنے ہی حسین تھے لیکن احمد ماضی کے پچھتاوے اور مستقبل کے اندیشے میں اتنا گرفتار ہوا کہ آج کو بھول گیا''۔

وضاحت:

پریشانیوں سے نجات کا پہلا اصول یہ ہے کہ آج میں زندہ رہیں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ آنیوالا کل ایک سراب ہے اور گذرا ہوا کل ماضی کی داستان۔ خود کو ایک ایسے کمرے میں بند محسوس کریں جس کا

کوئی دروازہ، کوئی کھڑکی نہیں۔ یہ کمرہ آج کا کمرہ ہے۔اس کمرے کے آگے مستقبل کے اندیشے ہیں اور پیچھے ماضی کے پچھتاوے۔دونوں طرح کے کل کو نظر انداز کر کے محض آج میں زندہ رہیں۔

اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم ماضی کی غلطیوں سے سبق نہ سیکھیں یا مستقبل کے مسائل سے نبٹنے کی تیاری نہ کریں۔ یہ دونوں کام ضروری ہیں۔آج میں زندہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ آنے والے کل یا گذرے ہوئے کل کیلئے کسی قسم کا کوئی تردد، فکر، تشویش، پریشانی، بے چینی اور اضطراب کا مظاہرہ نہ کریں۔

ایک فلسفی کا قول ہے

’’آپ آنے والے کل کے لئے غیر ضروری طور پر پریشان نہ ہوں۔آنے والا کل اپنا خود بندوبست کرے گا۔آپ محض اپنے آج کی فکر کریں اور اسی جانب توجہ مبذول رکھیں‘‘۔

اگر مستقبل کا جائزہ لیا جائے تو عام طور پر دو طرح کی فکریں اور اندیشے ہوتے ہیں۔ایک قسم تو ان مسائل کی ہے جن کے بارے میں ہم آج تیاری کر سکتے اور ان کا تدارک کر سکتے ہیں۔مثال کے طور پر روزگار کا حصول، بہتر مستقبل، اچھا معیار زندگی، اچھی صحت کا حصول وغیرہ۔دوسری قسم ان فکروں کی ہے جن کے لئے ہم آج کچھ بھی نہیں کر سکتے اور ان کا حل یا تو اس وقت ممکن ہوگا جب یہ مسئلے درپیش آئیں گے یا پھر ان کا تدارک تقدیر کے ہاتھ میں ہے۔مثال کے طور پر ایک شخص کی بیٹیاں ہیں لیکن وہ ابھی کم عمر ہیں۔ چنانچہ بیٹیوں کے لئے اچھے رشتوں کے لئے آج تشویش میں مبتلا ہونا بے وقوفی ہے۔مستقبل کے غیر ضروری اندیشوں سے نجات کا ایک بہترین راستہ توکل ہے۔توکل کا مطلب ہے کہ اپنے کرنے کا کام مکمل کر کے باقی کام اور نتائج اللہ کے سپرد کر دینا۔

اسی طرح ماضی کے غم بھی دو اقسام کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جن سے ہم سبق سیکھ کر کچھ بہتری لا سکتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک طالب علم امتحان میں محنت نہ کرنے کے سبب فیل ہو گیا۔اب

اسے چاہیے کہ ماضی سے سبق سیکھ کر آئندہ محنت کرے۔ دوسرے وہ رنج والم ہوتے ہیں جن سے ہم کوئی سبق حاصل نہیں کر سکتے اور یہ ہماری یادوں میں کانٹوں کی مانند موجود رہتے اور وقتاً فوقتاً کچوکے لگاتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کا بچہ فوت ہو گیا۔ اب یہ خیال اسے بار بار تنگ کرتا رہتا ہے۔ اس خیال سے چھٹکارا ہی خوشحال زندگی کا ضامن ہے۔

اسائنمنٹ

- کیس کو دوبارہ پڑھیئے اور تحریر کریں کہ احمد کے آنے والے کل اور گذرے ہوئے کل کی پریشانیوں کی کیا نوعیت تھی۔
- آپ کو مستقبل کے بارے میں جو پریشانیاں لاحق ہیں ان کی ایک لسٹ بنائیں اور ہر ایک کے سامنے یہ لکھیں کہ یہ قابل حل ہے یا نہیں۔ اگر وہ قابل حل ہے تو حل تجویز کر کے اسے بھلا دیں اور نا قابل حل ہے تو ابھی سے بھلا دیں۔
- ماضی کے پچھتاووں کی ایک فہرست بنائیں اور دیکھیں کہ ان میں سے ہر ایک سے کیا سبق سیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سب پچھتاووں کو بھلا دیں۔
- آج پر غور کریں اور ان نعمتوں کی فہرست بنائیں جو آپ کو آج حاصل ہیں جیسے صحت، دولت، عزت، تعلیم وغیرہ۔ پھر ان نعمتوں سے محظوظ ہوں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔

قانون بگڑے ہوئے افراد کے لیے ہوتا ہے
بگڑی ہوئی قوم کے لیے نہیں
بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح
صرف دعوت و تربیت سے ہوتی ہے

ابو یحییٰ

سورۃ البقرہ (1)

سورہ بقرہ کا تعارف

مضامین قرآن میں آج سے ہم سورہ بقرہ کا مطالعہ شروع کریں گے۔ یہ قرآن مجید کی طویل ترین سورت ہے جو 286 آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورت کا مرکزی موضوع اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت و رہنمائی کا بیان ہے جو حضرت ابراہیم کی نسل اور اس کی دو اہم شاخوں یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کو دی گئی تھی۔ اس ہدایت کے ساتھ اس بات کی تفصیل ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے تھا اور انہوں نے کیا کیا۔ یہ مرکزی مضمون تین اجزا میں بیان ہوا ہے۔ ان اجزا سے پہلے ایک تمہید ہے جو آیات نمبر 1 تا 39 پر مشتمل ہے۔ اس تمہید میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت، اس ہدایت پر مخاطبین کا ردعمل اور ہدایت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اس منصوبے کا بیان ہے جس کے تحت یہ دنیا بسا کر انسانوں کو اختیار و آزادی کی نعمت عطا کی گئی۔

سورت کے تین حصے

تمہید کے بعد سورت کا پہلا جز شروع ہوتا ہے جو آیت نمبر 40 سے 121 تک پھیلا ہوا ہے۔ اس حصے میں یہ بیان ہوا ہے کہ نزول قرآن سے قبل جن یہود کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ان کا رویہ کیا رہا ہے۔ وہ کیا خرابیاں تھیں جن کا ان میں ظہور ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ آ گیا کہ انہیں منصب امامت سے معزول کر کے ذریت ابراہیم کی دوسری شاخ یعنی بنی اسمائیل کو اس منصب پر فائز کر دیا جائے۔

اس چیز کا بیان سورت کے دوسرے حصے میں کیا گیا ہے جو آیت نمبر 122 سے 162 تک

ہے۔اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود پر اللہ کے غضب کے بعد اب ایک نئی امت کو اٹھایا جا رہا ہے۔منصب امامت میں اس تبدیلی کی علامت تحویل قبلہ ہے۔یعنی بیت المقدس کی جگہ اب بیت اللہ الحرام کو تا قیامت اہل ایمان کا قبلہ قرار دیا جا رہا ہے۔تاہم یہ منصب پہلے بھی حضرت ابراہیم کی اولاد کے پاس تھا اور اب بھی انہیں کے پاس ہے۔پہلے ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی اولاد اس منصب پر فائز تھی اور اب ان کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اس منصب پر فائز ہو رہی ہے۔

تیسرا حصہ آیت نمبر 163 سے 283 تک ہے۔اس حصے کا موضوع نئی امت کی ذمہ داریوں کا بیان ہے۔اس حصے میں اس نئی ہدایت الٰہی یعنی اس شریعت کا بیان ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پہلی دفعہ نازل ہو رہی تھی۔ساتھ ساتھ ہر جگہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس شریعت کو مضبوطی سے تھامنے کے لیے تقویٰ یعنی خدا خوفی کی وہ نفسیات لازمی ہے جو یہود میں سے ختم ہو چکی تھی۔سورت کا خاتمہ (آیت 284 تا 286) ایک عظیم دعا پر ہوتا ہے۔یہ دعا ان عظیم ذمہ داریوں کا بیان بھی ہے جو نئی امت پر ڈالی گئی ہیں اور اس بات کی درخواست بھی کہ پروردگار ان بھاری ذمہ داریوں کا بار اٹھانا نئی امت پر آسان کر دے۔

مضامین سورہ بقرہ

سورہ فاتحہ کے برعکس جو ایک چھوٹی سورت تھی ہم سورہ بقرہ کے مضامین کا مطالعہ ایک ساتھ نہیں کریں گے۔ہمارا طریقہ یہ ہوگا کہ کچھ آیات لیتے جائیں گے اور ان میں موجود مضامین کا مطالعہ عنوانات کے تحت کرتے جائیں گے۔ابتدائی پانچ آیات درج ذیل ہیں:

”یہ الف،لام،میم ہے۔یہ کتاب الٰہی ہے۔اس کے کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔ان لوگوں کے لیے جو غیب میں

رہتے ایمان لاتے ہیں۔اور نماز قائم کرتے ہیں۔اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔اوران کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو تم پر اتاری گئی ہے اور جو تم سے پہلے اتاری گئی ہے۔اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔‘‘(البقرۃ 2:5-1)

سورہ بقرہ کی یہ ابتدائی پانچ آیات ان اہم ترین قرآنی مقامات میں سے ایک ہیں جو اس بات کا واضح بیان ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیا چاہتے ہیں اور آخرت کی فلاح ونجات کن اعمال اور کس رویے پر منحصر ہے۔سورہ بقرہ کی یہ آیات مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی آیات میں سے ہیں، جب یہود کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تھی۔ چنانچہ یہاں مطالبات اسی پس منظر میں کیے گئے ہیں۔اس مقام پر جن مطالبات کو واضح طور پر بیان کیا جا رہا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

ا۔تقویٰ

تقویٰ کا لفظی مطلب بچنا ہے۔قرآن کا مقصد چونکہ جہنم کے نقصان اور جنت کی محرومی سے بچانا ہے اس لیے اس کی یہ دعوت صرف ان لوگوں کی سمجھ میں آسکتی ہے جو ’تقویٰ‘ یعنی نقصان اور محرومی سے بچنے کی نفسیات میں جی رہے ہوں۔ ایک عام انسان اپنی زندگی اسی ’تقویٰ‘ کے اصول پر گزارتا ہے۔ یعنی وہ ہر نقصان اور تکلیف سے بچنا چاہتا ہے۔ اس کی ساری تگ و دو بھوک، پیاس، بے گھری، بے روزگاری وغیرہ سے بچنے کے لیے ہوتی ہے۔اس طرح ہر انسان اصل میں متقی ہوتا ہے۔قرآن بس اتنا کہتا ہے کہ اپنے تقویٰ کا رخ دنیا کے ساتھ آخرت کی طرف بھی کرلو۔یعنی آخرت کے نقصان سے بچنے کی بھی فکر کرلو۔یہی لوگ قرآن کی اصطلاح میں متقی ہیں۔جو لوگ ان معنوں میں متقی نہیں قرآن کا کوئی مطالبہ ان پر موثر نہیں ہوتا۔

یہاں سمجھ لینا چاہیے کہ سورہ بقرہ میں چونکہ شریعت دی جارہی ہے اس مقام پر بھی اور آگے اس سورت میں بے گنتی مقامات پر اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ بھی دیتے ہیں، مگر اس سے فائدہ صرف تقویٰ کی نفسیات میں جینے والے لوگ اٹھاتے ہیں۔ خوف خدا اور فکر آخرت پر مبنی تقویٰ کی اس نفسیات سے یہود بھی فارغ تھے اور الا ماشاء اللہ آج کے مسلمان بھی فارغ ہیں۔

۲۔ غیب میں رہ کر ایمان لانا

آج کے نسلی مسلمانوں کو شائد اس قرآنی مطالبے کی اہمیت کا اندازہ نہ ہو مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتدائی زمانے میں ایمان لانے والوں کی یہ اہم ترین خصوصیت تھی۔ آپ کے ابتدائی مخاطبین آپ کی دعوت کے ثبوت کے لیے حسی معجزات طلب کرتے تھے۔ وہ فرشتوں کے نزول اور آسمانی نشانیوں کے ظہور کا مطالبہ کرتے تھے۔ قرآن نے یہ اصول بیان کر دیا کہ معجزات صرف نبیوں کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور حضور آخری نبی ہیں۔ اس لیے آپ کے معاصرین کو کوئی حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ بھی کسی معجزے کی فرمائش نہ کر سکیں۔ جو معجزہ پہلے لوگوں کے لیے حجت تھا یعنی قرآن وہی بعد میں آنے والوں کے لیے بھی ہوگا۔

اس پس منظر میں غیب میں رہ کر ایمان لانے کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ایمان عقلی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ قدیم انسان ہوا کو دیکھ نہیں سکتا تھا مگر اس کے آثار محسوس کر کے اسے مانتا تھا۔ آج کا انسان زمین کی قوت کشش کو دیکھ نہیں سکتا مگر سائنسدانوں کی تحقیق کی بنیاد پر وہ مانتا ہے کہ زمین کی ایک قوت کشش ہے۔ اسی طرح دین کا ہر ایمانی مطالبہ، جس میں انسان کو غیبی حقائق یعنی خدا، فرشتوں اور جنت وجہنم کو مان لینے کی دعوت دی جاتی ہے،

قرآن عقلی بنیادوں ہی پر ثابت کرتا ہے۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد جو شخص بھی قرآن پڑھے گا وہ جان لے گا کہ کیوں اللہ تعالیٰ پورے قرآن میں ایمانیات پر عقلی دلائل دیتے رہتے ہیں۔ کیوں وہ مظاہرِ فطرت اور تاریخی آثار کو بار بار لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جو شخص اس پہلو سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گا وہ کبھی قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ نماز کا قائم کرنا

نماز دین کا بنیادی مطالبہ ہے۔ یہ عام حالات میں سب سے بڑا عمل ہے، جو بندہ اپنے رب کے لیے کر سکتا ہے۔ یہ قیام، رکوع، سجود کی شکل میں عبادتِ رب اور اظہار بندگی کا خوبصورت ترین نمونہ ہے۔ جو شخص رب کی پرستش، اس کی یاد اور اس کی محبت کی اس اعلیٰ ترین سطح سے منہ موڑتا ہے وہ حدیث کے الفاظ میں گویا کہ کفر کا ارتکاب کر دیتا ہے۔ یہاں نماز کے قیام کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ یہود نے اپنی نمازوں کو ضائع کر دیا تھا۔ ختم نبوت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام تو فرما دیا کہ نماز کی شکل آج بھی الحمدللہ امت میں پوری طرح قائم ہے لیکن نماز کی اسپرٹ جو یادالٰہی ہے، اس سے اکثر نماز پڑھنے والے مسلمان بھی غفلت میں رہتے ہیں۔

۳۔ انفاق

نماز کے ساتھ دین کا دوسرا مطالبہ ہے جو قرآن جگہ جگہ دہراتا ہے۔ ان آیات میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ انفاق کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا انفاق اصل میں اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ہوتا ہے۔ وہ انفاق کر کے نہ اللہ پر احسان کرتے ہیں نہ اس کے بندوں پر۔ بلکہ صرف اپنا بھلا کرتے ہیں۔

۴۔ بلا تعصب ایمان

ایمان کا ایک پہلو تو اوپر بیان ہوا کہ یہ غیب میں رہ کر عقلی امکانات کی بنیاد پر بعض حقائق کو مان لینے کا نام ہے۔ اس کا دوسرا پہلو ان آیات میں خاص یہود کے پس منظر میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ ہم خدا اور نبیوں کے ماننے والے ہیں، مگر ان کتابوں کو مانتے ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے برعکس یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ تعصب جمع نہیں ہونا چاہیے۔ اگر یہ بات ثابت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں تو پھر ان پر نازل ہونے والی کتاب کو نہ ماننے کی کوئی گنجائش نہیں۔ بندہ مومن اپنے فرقہ اور گروہ کے حق سے دلچسپی نہیں رکھتا، بلکہ خدا کے نازل کردہ حق سے دلچسپی رکھتا ہے۔ چاہے یہ حق اپنے گروہ کی طرف سے پیش ہو یا کسی اور گروہ کے کسی شخص کی طرف سے۔

۵۔ آخرت پر یقین

آخرت پر یقین قرآن کی اصل دعوت ہے۔ وہ لوگوں کو خدا کے ابدی منصوبے سے روشناس کرانے آیا ہے۔ یعنی اصل دنیا تو آخرت کی دنیا ہے۔ یہ دنیا تو محض امتحان ہے۔ یہاں کا ملنا کھونا، ہنسنا رونا، خوشی غم، کامیابی ناکامی سب امتحان ہے۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ جس شخص کو یہ یقین نہ ہو وہ کبھی قرآن کی ہدایت کو نہیں پا سکتا۔ شروع میں جس تقویٰ کا ذکر ہوا ہے وہ اس یقین کے بغیر کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے یہاں آخرت پر ایمان سے زیادہ یقین کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

[جاری ہے]

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (1)

سفر کی منصوبہ بندی

بل کھاتے ہوئے کچے راستے پر نئے ماڈل کی چھوٹی سی فی ایٹ کار دوڑتی جا رہی تھی۔ گھنے سبزے میں ڈھکے ہوئے پہاڑ، جن کا سبزہ ہمارے شمالی علاقہ جات کے پہاڑوں کے سبزے سے کچھ زیادہ ہی گھنا تھا، دونوں جانب سے راستے کو گھیرے ہوئے تھے۔ ایک طرف یہ سڑک پہاڑ کے دامن کو مس کر رہی تھی اور دوسری جانب ایک سینکڑوں فٹ گہری کھائی اس سڑک کو پہاڑ سے جدا کر رہی تھی۔

گاڑی کا اسٹیرنگ اس وقت میرے ناتواں ہاتھوں میں تھا۔ اگر یہ گول پہیہ میرے ہاتھ سے ذرا سا بھی پھسل جاتا تو کار رول ہوتی ہوئی کھائی کے اندر گرتی چلی جاتی۔ دور نیچے گہرائی میں مخروطی سرخ چھتوں والے مکانات نظر آ رہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ کچی سڑک پر کاریں جیپوں کی طرح دوڑ رہی تھیں۔ اچانک ایک دوراہا سامنے آ گیا۔ کوئی بورڈ موجود نہیں تھا۔ دونوں طرف ایک جیسی چوڑی سڑک جا رہی تھی۔ " کس طرف چلا جائے؟ " میرے ذہن میں سوال گونجا۔

اچانک ایک جانب سے جدید طرز کا ٹریکٹر نمودار ہوا جس کی اکلوتی سیٹ پر دھوتی کرتہ اور پگڑی میں ملبوس گھنی مونچھوں والے کسان کی بجائے پینٹ کوٹ پہنے ایک کلین شیو سرخ و سفید بینک آفیسر ٹائپ شخص بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے اتار کر رکنے کا اشارہ کیا۔ کمال خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان صاحب نے بریک پیڈل پر پاؤں رکھ دیا۔

" سیون لیکس، دس سائیڈ؟ " میں نے ایک جانب اشارہ کیا۔

جواب میں نامعلوم زبان میں ایک تقریر کر دی گئی۔ ہاتھوں کے اشارے سے بہرحال سمت کا تعین ہو گیا۔ تھینک یو ویری مچ اور اس کے ساتھ میں نے شکریہ کے تاثرات اپنی شکل پر

پیدا کرنے کی کوشش کی اور ہاتھ سے بھی اشارہ کیا کیونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ زبان کا شکریہ اپنی منزل مراد تک پہنچا یا نہیں۔

تھوڑی دور جا کر کھائی تنگ ہونے لگی۔ پہاڑ ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔ سبزہ گہرا اور گھنا ہونے لگا۔ بل کھاتی ہوئی سڑک پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترنے لگی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم کسی گہرے کنویں کی تہہ میں اترتے چلے جا رہے ہیں۔ سڑک کے دونوں جانب موجود درخت اوپر جا کر ایک دوسرے سے مل رہے تھے اور ان کے درمیان راستہ کسی سرنگ کی شکل اختیار کر رہا تھا۔

تھوڑی دور جا کر ایک چیک پوسٹ سامنے آئی جس میں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ ایک لمبے سے بانس پر مشتمل بیریئر اوپر اٹھا ہوا تھا۔ ایک جانب ایک بورڈ پر "ییدی گولر نیشنل پارک" لکھا ہوا تھا۔ تھوڑی دور جا کر پانی کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایک نہایت ہی دلکش فطری نغمہ تشکیل دے رہی تھی جس کے لئے انسان کے بنائے ہوئے کسی ساز کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نغمے کے سر تال اعصاب کو سکون بخش رہے تھے۔ سبز رنگ کی ایک جھیل ہمارے سامنے تھی جس کا پانی ایک آبشار کی صورت میں بہتا ہوا دوسری جھیل میں گر رہا تھا۔

ییدی گولر کا مطلب ہے "سات جھیلیں"۔ یہ ترکی کا مشہور نیشنل پارک تھا جو گھنے سبزے سے بھرے ہوئے پہاڑوں اور ان کے درمیان موجود سات جھیلوں پر مشتمل تھا۔

ترکی ایشیا اور یورپ کے سنگم پر واقع ایک ایسا ملک ہے جہاں دو براعظموں کا محض جغرافیہ ہی نہیں ملتا بلکہ ان دونوں عظیم خطوں کی تاریخ، ثقافت، افکار اور نظریات ہر دور میں ایک دوسرے سے ملتے چلے آئے ہیں۔ اب سے سو برس پہلے تک ترکی عالم اسلام کا مرکز تھا۔ یہی ترک تھے جو ایک ہزار برس تک مسلمانوں کا عسکری بازو بنے رہے۔ ترکی کی اسی تاریخی، ثقافتی اور جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر ہم نے ترکی کے سفر کا ارادہ اس وقت کیا جب ہم اردن اور مصر کے سفر سے واپس آ رہے

تھے۔اس سفر کی تفصیل آپ میرے سفرنامے "قرآن و بائبل کے دیس میں" میں پڑھ چکے ہیں۔

ویزا پراسیسنگ

ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ترکی کا سفر سعودی عرب سے بذریعہ کار کیا جائے۔ درمیان میں شام اور اردن کے ممالک پڑتے ہیں۔ان کا ویزا لینا ضروری تھا مگر اس سب سے پہلے ترکی کا ویزا حاصل کرنا لازم تھا۔ترکی ایک ٹورسٹ ڈیسٹی نیشن ہے۔ دنیا کے دیگر ممالک کے لئے اس کا قانون یہ ہے کہ آپ اطمینان سے ترکی تشریف لائیے اور ایئر پورٹ یا بارڈر سے ویزا حاصل کر لیجیے۔مگر چند ممالک جن میں ہمارا ملک پاکستان بھی شامل ہے، کے لئے یہ قانون ہے کہ اپنے ملک میں ترکی کے سفارت خانے سے ویزا حاصل کر کے آیئے۔

میں جدہ کے ڈسٹرکٹ اندلس میں واقع ترکی کے سفارت خانے میں پہنچا اور ویزا کے حصول کے طریق کار سے متعلق معلومات حاصل کیں۔سکیورٹی کم انفارمیشن ڈیسک پر موجود صاحب کہنے لگے: "یہ فارم لے جایئے۔ اس کے ساتھ اپنے پاسپورٹ، اقامہ اور بینک اسٹیٹمنٹ کی کاپی، دو تصاویر اور اپنی کمپنی سے ایک لیٹر لکھوا لایئے جسے چیمبر آف کامرس سے تصدیق شدہ ہونا چاہیے۔ میں آپ کو اندر بھیج دوں گا۔ ویسے پاکستانیوں کو ویزا مشکل سے ملتا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ہمدردانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا۔

چند دن بعد یہ سب دستاویزات لے کر میں پھر سفارت خانے میں پہنچا۔ان صاحب نے مجھ سے موبائل فون طلب کیا اور اس کے بدلے ایک کارڈ ایشو کر کے مجھے اندر بھیج دیا۔ویزا آفس ایک کمرے میں قائم تھا جہاں دو نہایت ہی نستعلیق قسم کے افراد میز کرسی رکھے براجمان تھے۔ ایک سفید بالوں والے بزرگ تھے اور دوسرے نوجوان۔ایک ایک سعودی نوجوان ویزے کے لئے ان دونوں کے سامنے بیٹھے تھے۔میں انتظار کرنے کے لئے وہیں موجود صوفے پر بیٹھ گیا۔

بزرگ پہلے فارغ ہوئے اور مجھے اپنے ڈیسک پر آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے انگریزی میں گفتگو کا آغاز کیا جس کا جواب عربی میں وصول ہوا۔ میں نے اپنے اور اپنی فیملی کے کاغذات پیش کیے۔ انہوں نے بغور مطالعہ کیا۔ ان کی شکل پر قائل ہو جانے کے تاثرات پیدا ہوئے۔ اس کے بعد جب انہوں نے سبز پاسپورٹ دیکھے تو قائل ہو جانے کے تاثرات غائب ہو گئے۔ کہنے لگے، "آپ تشریف رکھیے، مجھے قونصل جنرل سے پوچھنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد آ کر کہنے لگے، "قونصل صاحب اس وقت تو موجود نہیں ہیں۔ آپ اپنے کاغذات میرے پاس چھوڑ دیجیے۔ اپنا موبائل نمبر دے دیجیے۔ میں ہفتے یا اتوار تک آپ کو خود کال کر دوں گا۔" میں نے عرض کیا، "اس کی رسید وغیرہ۔" کہنے لگے، "میں ان سے پوچھے بغیر رسید جاری نہیں کر سکتا۔"

میرا خیال تھا کہ انہوں نے مجھے محض ٹالا ہی ہے۔ کس کے پاس اتنا وقت ہو گا کہ مجھے کال کرتا پھرے۔ بہرحال میں نے رسک لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہفتے والے دن میرے موبائل پر ترکی سفارت خانے سے کال وصول ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ کو ویزا دینے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ آیئے اور اپنے پاسپورٹ لے جایئے۔" میں جیسے ہی وہاں پہنچا تو ان بزرگ کے پاس رش لگا ہوا تھا۔ میری شکل دور سے دیکھتے ہی چلائے: "تعال تعال" یعنی آیئے، آیئے۔ میں آگے بڑھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، چھوٹتے ہی بغیر کسی مروت کے فرمانے لگے، "پانچ سو دس ریال نکالیے۔" میں نے رقم ان کے حوالے کی۔ انہوں نے مجھے رسید دے دی اور کہنے لگے، "کل تین بجے پاسپورٹ لے لیجیے گا۔"

اگلے دن تین بجے وہاں پہنچا تو کاؤنٹر پر ایک بنگالی صاحب موجود تھے۔ رسید دیکھ کر کہنے لگے، "یہ تو کل کی ہے۔ کم از کم وقت 48 گھنٹے کا ہے۔" میں نے کہا، "مجھے خود آپ کے آفیسر

نے آج کا وقت دیا ہے۔ آپ چیک کر لیں۔" چیک کیا تو واقعی پاسپورٹ موجود تھے جن پر ترکی کا ویزا لگا ہوا تھا جس پر وہ صاحب کافی شرمندہ ہوئے۔ انسان اگر بات کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لے تو پھر شرمندگی سے بچ جاتا ہے۔ پاسپورٹ کے ساتھ انہوں نے مجھے ترکی کی سیاحت سے متعلق کچھ بروشر بھی دے دیے جن کی مدد سے مجھے اپنے سفر کی منصوبہ بندی میں بہت مدد ملی۔

اگلے دن شام کے سفارت خانے میں گیا۔ ترکی کے مقابلے میں شام کا سفارت خانہ مچھلی بازار لگ رہا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے کاؤنٹر اور تنگ و تاریک ماحول۔ لائن تو طویل نہیں تھی البتہ بیورو کریٹک انداز میں کام کی وجہ سے ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔ یہ بیوروکریسی کا خاص طریقہ کار ہوا کرتا ہے جس سے ہم اپنے ملک میں عموماً گزرتے رہتے ہیں۔ چند منٹ کے کام کو اتنا پیچیدہ اور مشکل بنا دیا جاتا ہے کہ سیدھے طریقے سے کام کروانے میں طویل وقت، انتظار اور محنت صرف ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ کا رابطہ کسی ایجنٹ وغیرہ سے ہے تو وہی کام فوراً ہو جاتا ہے۔ کام کو جلد کرنے کی قیمت آپ کو بہر حال ادا کرنا پڑتی ہے۔

جب کاؤنٹر پر پہنچا تو سبز پاسپورٹ دیکھتے ہی وہی رد عمل سامنے آیا جو ترکی والوں کا تھا۔ "پاسپورٹ چھوڑ جایئے۔ ہمیں قونصل جنرل سے پوچھنا پڑے گا۔" اگلے دن گیا تو تھوڑی سی دیر میں ویزا لگا کر انہوں نے پاسپورٹ میرے حوالے کر دیے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ انہوں نے ملٹی پل انٹری ٹرانزٹ ویزا جاری کیا تھا۔

اب اردن کے سفارت خانے کی باری تھی۔ یہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے ترک اور شامی حضرات موجود تھے جو بذریعہ سڑک اپنے ملکوں میں چھٹیاں گزارنے کے لئے جانا چاہتے تھے۔ ایک ترک جو انطاکیہ سے تعلق رکھتے تھے، مجھے کہنے لگے، " آپ کو عربی لکھنا آتی

ہے۔ برائے مہربانی میرا فارم پر کر دیجیے۔" میں نے ان کا اور ان کی فیملی کا فارم پر کیا۔ وہ صاحب مدینہ سے آئے تھے اور وہاں بطور مکینک کام کرتے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ان کی شادی ایک پاکستانی خاتون سے ہوئی تھی۔

جب میری باری آئی تو ایک نئی بات سامنے آئی اور وہ یہ تھی کہ اہل پاکستان کے لئے انہوں نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ ان کے ویزا کی درخواست پہلے اردن جائے گی۔ وہاں سے وزارت خارجہ نے اگر اس کی منظوری دے دی تو پھر ویزا ایشو ہو گا ورنہ نہیں۔ میں نے انہیں بہت کہا کہ میں پہلے اردن جا چکا ہوں۔ کہنے لگے، "ہم کیا کر سکتے ہیں جب قانون یہی ہے۔" اگر یہ بات میرے علم میں پہلے ہوتی تو میں پہلے ہی درخواست دے دیتا۔ خیر اب درخواست جمع کر دی۔ کہنے لگے، "دس دن بعد معلوم کیجیے۔" دس دن کے بعد گیا تو انہوں نے مزید ایک ہفتے کا کہہ دیا۔ یہ سلسلہ جب تین ہفتے سے زیادہ دراز ہوا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اہل اردن ہم پاکستانیوں کو ویزا ایشو نہیں کرنا چاہتے۔

ہمارے "نظریہ سازش" کے علمبرداروں کی طرح میرے دل میں بھی خیال آیا کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی گہری سازش ہو گی۔ غالباً امریکی اور یہودی ایجنٹوں کو ہمارے اس سفر کی بھنک پڑ گئی ہو گی۔ انہوں نے ہمیں اس سفر سے روکنے کے لئے اردن کے سفارت خانے میں موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ہمارا ویزا رکوا دیا ہے۔ یہ اسی قسم کا خیال تھا جیسے ایک صاحب کی اپنی بیگم سے شدید لڑائی ہو گئی اور برتن چلنے کی نوبت آئی۔ مار کھانے کے بعد اپنی ہڈیوں کو سینکتے ہوئے گھر سے باہر آئے تو کہنے لگے، "یہ ہمارے گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے، امریکہ کروا رہا ہے۔"

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند۔۔۔ گستاخ ءفرشتہ ہماری جناب میں

ابو یحییٰ

کیا گھریلوں خادماؤں سے ہم بستری جائز ہے

سوال: سلام! جناب میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔ مجھے ابھی تک اس کا صحیح جواب نہیں ملا۔ میں نہیں چاہتی کہ میں خود کچھ اپنی طرف سے غلط سمجھ کر گمراہ ہو جاؤں اس لیے میں آپ سے سوال کر رہی ہوں۔

میرا سوال یہ ہے کہ قرآن کی اس بات کا کیا مطلب ہے کہ ''تمھارے لیے جائز ہے تمھاری بیویاں اور یعنی تمھاری خادمائیں یا میڈ (جن کے مالک تمھارے ہاتھ ہوں)۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو بغیر نکاح کے خادمہ یا میڈ پر بیوی جیسے حقوق حاصل ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ سر پلیز میری مدد کیجیے میں گمراہ نہیں ہونا چاہتی۔ میری رہنمائی کیجیے۔ میں آپ کے مطمئن کر دینے والے منطقی جواب کی منتظر ہوں۔

شکریہ

رباب حفیظ

جواب: السلام علیکم ورحمت اللہ و برکاتہ۔ قرآن مجید نے ان آیات میں اور ان جیسی دیگر آیات میں ''الا ما ملکت '' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس سے آج کل کی میڈ یعنی گھر میں کام کرنے والی خواتین یا ملازمائیں مراد نہیں ہوتیں بلکہ زمانہ قدیم کی لونڈیاں مراد ہیں۔ دراصل زمانہ قدیم میں بلکہ کچھ عرصے قبل تک دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ غلام مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی۔ یہ صورتحال نزول قرآن کے وقت بھی تھی۔ کم وبیش ہر معاشرے میں نہ صرف خواتین لونڈیوں کی حیثیت میں گھروں میں ہوتی تھیں بلکہ ان سے تمتع کرنا یعنی میاں بیوی کا تعلق جائز

سمجھا جاتا تھا۔ظاہر ہے کہ یہ صورتحال کوئی ایک دن میں بدلی نہیں جاسکتی تھی۔ چنانچہ قرآن مجید نے بھی اس صورتحال کو گوارا کیا اور اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔البتہ بتدریج غلامی کو ختم کرنے کے اقدام کیے اور اس سلسلے کا آخری قدم یہ تھا کہ لونڈی غلاموں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ کچھ رقم دے کر خود کو غلامی سے آزاد کرا سکتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت میں مراد زمانہ قدیم کی لونڈیاں ہیں جن کے لیے صحیح لفظ slave girls ہے۔آج کل گھر میں کام کرنے والی خادمائیں اس سے مراد نہیں۔

نوجوان بچوں اور شوہر کی اصلاح

سوال: الحمدللہ آپ کی نئی کتاب ''قسم اس وقت کی'' بہت خوبصورت تحریر ہے۔بالکل ''جب زندگی شروع ہوگی'' کی طرح۔ بہت سے سوالات کے جوابات ہیں۔بے شمار احساسات کی تشریح جو ہم سمجھتے ہوئے بھی نہیں کر پاتے۔مجھے بہت خاص بات یہ لگی کہ آپ نے دونوں کتابوں میں دیندار گھر سے وابستہ نسل کا دین پر نہ ہونا بیان کیا، کیونکہ ہم عام تصور یہ رکھتے ہیں کہ دیندار گھر کے بچوں کو ہدایت یافتہ ہی ہونا چاہیے۔ جنت کے بارے میں کتاب کے آخر میں جو تعبیر بیان کی ہے وہ بہت ہی زبردست ہے۔بس اپنے جذبات کی صحیح تشریح لگی اور یقین کریں دل سے یہ دعا نکلی کہ جنت میں عبداللہ جیسا ساتھی ہو آمین۔اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

میرا سوال یہ ہے کہ نوجوانوں کو دین ، نماز اور تلاوت قرآن کی طرف کیسے مائل کیا جائے۔یہی سوال شوہر کے بارے میں ہے کہ انہیں کیسے دین کی طرف متوجہ کیا جائے۔ہم خود بھی غلطیاں کرتے ہیں مگر پرفیکٹ تو کوئی نہیں ہوتا۔

مسز احمد زمان

جواب: السلام علیکم محترم بہن! مسلم خواتین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچپن ہی سے بچوں کی اچھی تربیت کا اہتمام کریں۔ وہ اگر شروع ہی سے بچوں کی تربیت کو مسئلہ بنائیں گی تو انشاء اللہ پروردگار کی رحمت سے امید ہے کہ بچے دین کی طرف مائل ہوں گے اور نماز اور قرآن مجید سے دور نہیں ہوں گے۔

تاہم بہت سی خواتین ایسا نہیں کرتیں یا ان کی کوشش کے باوجود بچے یا ان کے شوہر دین کی طرف مائل نہیں ہوتے تو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ پہلا کام اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک دینی فرائض کو ادا کرتی رہیں۔ آپ کے عمل کو دیکھ کر بہر حال دوسرے لوگ ایک اثر قبول کرتے ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ شوہر اور بچوں کو ترغیب دینے کے ساتھ ان کے ساتھ مکالمہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور مہربانیوں کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جائے۔ ان میں احسان مندی کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ اس کے بعد یقیناً وہ نماز کا اہتمام کریں گے۔ پھر یہ کرنے کا بہت اہم کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے ان کے لیے دعا کی جائے۔

ان سب کے ساتھ یہ حقیقت بھی سمجھ لیں کہ نماز پڑھنا بہر حال ایک مشکل کام ہے۔ اس مشکل کام پر آمادہ کرنے کے لیے انہیں اجر کی امید دلائی جائے۔ یہ ساری چیزیں مستقل مزاجی سے کرتی رہیں۔ انشاء اللہ بچے اور شوہر دین کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

والسلام

''جب زندگی شروع ہوگی'' پر کچھ اعتراضات کے جواب

نوٹ: یہ ای میل ایک صاحب کے ان اشکالات کے جواب میں ابو یحییٰ صاحب نے لکھا جو ان کی کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے حوالے سے کیے گئے۔ یہ سوال کتاب میں بیان کردہ

روز محشر کے واقعات اور وہاں اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان کی جانے والی گفتگو کے پس منظر میں سائل کے ذہن میں پیدا ہوئے۔

جواب: السلام علیکم! ای میل کے لیے شکریہ۔ میں نے یہ ناول مسلمانوں کی علمی اور فکری روایت کے اندر رہ کر ہی لکھا ہے۔ اس روایت کے آخری بڑے آدمی حضرت علامہ اقبال کے کلام سے آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔ ان کا فارسی نہ سہی اردو کلام تو پڑھا ہوگا۔ ورنہ کم از کم شکوہ جواب شکوہ کا نام تو سنا ہوگا۔ اس سے بھی واقف نہیں ہیں تو یہ شعر تو لازماً سنا ہوگا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ جواب شکوہ کا آخری شعر ہے اور پوری جواب شکوہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو پر مشتمل ہے۔ میں نے تو جو لکھا تھا وہ سرتا سر قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھا تھا۔ اقبال نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر معاصر ملی حالات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبصرہ کیا ہے۔ یہ سارے سوالات جو آپ اٹھا رہے ہیں، مجھ سے کہیں بڑھ کر اقبال اور ان سے قبل کے اہل علم پر وارد ہوتے ہیں۔ لیکن علم و ادب کی گہری سمجھ رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ سطحی نوعیت کے اعتراضات ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی علمی وفکری روایت سے ناواقف بعض جہلا نے جب اقبال پر اس حوالے سے فتویٰ بازی کی تو انہوں نے جاوید نامہ میں اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے اس کا جواب یوں دیا تھا۔

ہر کہ او را قوت تخلیق نیست
پیش ما جز کافر و زندیق نیست
از جمال ما نصیب خود نبرد
از نخیل زندگانی بر نخورد

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جو تخلیقی سوچ نہیں رکھتا ہمارے نزدیک کافر وزندیق ہے۔ اس نے ہمارے جمال سے اپنا حصہ نہیں پایا اور وہ زندگی کے درخت کا پھل کھانے سے محروم رہا۔ باقی جو کچھ قرآن کے حوالے سے آپ نے سمجھا ہے اس کا انطباق ان چیزوں پر نہیں ہوتا جو میں نے لکھا ہے۔ میں صرف ایک مثال سے بات واضح کرر ہا ہوں۔ باقی چیزوں کو آپ خود قیاس کرلیں۔ یہ بات کہ اللہ کے اذن کے سوا روز محشر کوئی کلام نہیں کر سکے گا۔ یہ بات علی الاطلاق نہیں کہی گئی ہے بلکہ کفار کے اس زعم باطل کی تردید میں کہی گئی ہے کہ ان کے دیوی دیوتا جس کی چاہیں گے اللہ کے حضور سفارش کروالیں گے۔ قرآن جگہ جگہ یہ بات اسی عقیدہ کی تردید میں کہتا ہے۔ ایسے مقامات پر نفی سفارش کی ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیامت کے دن سارے لوگوں کے ہونٹ سی دیے جائیں گے۔ قرآن میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر لوگوں کی گفتگو بھی نقل کی گئی ہے جو وہ روز محشر کریں گے۔

اگر آپ سنجیدہ انسان ہیں تو میری یہ معروضات کافی ہیں۔ باقی اعتراض برائے اعتراض کرنے والوں کے پاس بے معنی الفاظ نہ پہلے کبھی ختم ہوئے ہیں نہ اب ہوں گے۔ میں ایسے موقع پر اقبال کے یہ اشعار پڑھ دیا کرتا ہوں:

ہر کہ او را قوت تخلیق نیست
پیش ما جز کافر وزندیق نیست
از جمال ما نصیب خود نبرد
از نخیل زندگانی برنخورد

والسلام علیکم

سلسلہ روز و شب

ابو یحییٰ

کیا اللہ اور خدا، دو الگ وجود ہیں؟

پچھلے دنوں ایک صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ گفتگو کے دوران میں انہوں نے یہ بیان کیا کہ میری کتابیں جب وہ بعض لوگوں کو دیتے ہیں تو وہ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے خدا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ خدا کا استعمال اس کی توہین کے مترادف ہے، اس لیے وہ میری کتابوں اور تحریروں کو مفید سمجھنے کے باجود دوسروں تک نہیں پہنچا سکتے۔ یہ صرف ایک ہی واقعہ نہیں ہے۔ بہت سے لوگ مجھ سے لفظ خدا کے استعمال کے بارے میں ایسی ہی رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اس اہم مسئلے پر تفصیل سے بات کی جائے۔

قرآن کا فیصلہ

اللہ تعالیٰ کا کیا نام درست ہے اور کیا نہیں۔ کس نام کو اس کی طرف نسبت دی جا سکتی ہے اور کس کو نہیں، اس کا فیصلہ نزول قرآن کے وقت ہی ہو گیا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام 'الرحمٰن' بیان ہوا ہے۔ الرحمٰن کا لفظ عربی زبان کا معروف لفظ تھا جس سے مشرکین عرب واقف تھے۔ تاہم ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے وہ اللہ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے طور پر الرحمٰن کا لفظ زیادہ تر اہل کتاب میں استعمال ہوتا تھا۔ قرآن کریم نے بھی بعض مقامات پر اس نام کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کے طور پر استعمال کیا۔ مثلاً سورہ الرحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''الرحمٰن نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔'' (الرحمٰن 55:2-1)

جب قرآن نے لفظ الرحمٰن کو استعمال کیا تو مشرکین عرب جو مخالفت پر تلے بیٹھے تھے،

انہوں نے اس بات کو اچھالنا شروع کر دیا۔قرآن کریم میں مشرکین کے ردعمل کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ الرحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں: الرحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کا تم ہمیں حکم دیتے ہو؟ اور یہ چیز ان کی نفرت کو اور بڑھاتی ہے۔''،(الفرقان60:25)

یہ چونکہ توحید کا مسئلہ تھا، جس کی وضاحت قرآن کا بنیادی موضوع ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ اللہ کے سوا کسی اور نام سے ذات باری تعالیٰ کو پکارنا غلط ہے۔فرمایا:

''اے نبی! انہیں بتا دو تم اللہ کہہ کر پکارو یا الرحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔''،(سورہ بنی اسرائیل110:17)

یہ آیت ٹھیک اس مسئلے کے بارے میں بھی ایک قطعی فیصلہ دے دیتی ہے جو لفظ خدا کے حوالے سے آج درپیش ہے۔ یہ نص قطعی ہے جو صاف بیان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف الرحمٰن کہہ کر پکارنا درست ہے بلکہ ہر وہ اچھا نام جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے لیے کسی زبان، علاقے یا قوم میں رائج ہے، اس نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا بالکل جائز ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص قوم یا علاقے کے رب نہیں، بلکہ رب العالمین ہیں۔ان کا تصور ہر گروہ اور ہر زمانے میں پایا جاتا رہا ہے۔لوگوں نے اپنی اپنی زبانوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں۔مگر ان سب ناموں سے مراد ایک ہی ہستی ہوتی ہے۔ جسے اہل عرب نزول قرآن کے وقت اللہ کہتے تھے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے زمین کا تصور ہر قوم، گروہ اور علاقے میں پایا جاتا ہے۔مگر اہل

عرب اسے ارض، انگریز ارتھ اور ہم لوگ زمین کہتے ہیں۔ کیا ان تین مختلف ناموں سے زمین کے تصور میں تبدیلی آگئی؟ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کی ہے۔ اب صرف ایک سوال کا جواب باقی ہے کہ کیا ہماری زبان میں 'خدا' کوئی اچھا لفظ ہے یا نہیں۔ اس کا جواب ہمیں لغت میں مل جاتا ہے۔ اردو ڈکشنری بورڈ کی شائع کردہ اردو زبان کی سب سے بڑی اور مستند لغت میں خدا کے لفظ کے تحت لکھا ہے۔

''بندے کے مقابل، خالق کائنات کا ذاتی نام اور خود اس کی ذات جس کے صفاتی نام ننانوے ہیں اور جو اپنی ذات وصفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، وہ یکتا ہے اور اس کا مثل کوئی نہیں۔'' 460/8

کیا اس وضاحت کے بعد لفظ خدا کے استعمال کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اردو لغت والوں نے لفظ خدا کے یہ معنی گھر بیٹھے تخلیق نہیں کیے ہیں۔ اہل زبان جب کبھی لفظ خدا کو زبان سے ادا کرتے ہیں، وہ جب خدا کی قسم کھاتے ہیں، وہ جب گواہ بناتے ہیں ان کے ذہن میں اللہ کے سوا کسی اور کا تصور تک نہیں ہوتا۔ کسی زبان کی اصل سند اس کے اساتذہ کا کلام ہوتا ہے۔ دیکھیے کہ اردو زبان کے ائمہ کس طرح خدا کے لفظ کو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ میر کا شعر ہے:

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

غالب کہتے ہیں:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اقبال کہتے ہیں:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

دور حاضر کے معروف نعت ثنا خواں شاعر مظفر وارثی کی حمد کا یہ شعر تو بچے بچے کو یاد ہے:

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے
وہی خدا ہے وہی خدا ہے

یہ اشعار جب سنے جاتے ہیں تو ذہن میں سوائے اللہ تعالیٰ کے، کسی اور کا تصور تک نہیں ہوتا۔

انبیا کا طریقہ

سورہ بنی اسرائیل کی آیت اس بحث میں فیصلہ کن ہے۔ مگر ذرا اور آگے چلئے اور دیکھئے کہ انبیا کا کیا طریقہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ یہ لفظ دو اجزا سے مرکب ہے۔ اِسر اور اِیل۔ قدیم عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کو 'اِیل' کے لفظ سے پکارا جاتا تھا۔ جبکہ اِسر کے معنی بندے کے ہیں۔ سو ان کے لقب اسرائیل کا مطلب ہوا 'ایل' یعنی اللہ کا بندہ۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی۔ 86 برس کی عمر میں ان کی دعا کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا تو آپ نے ان کا نام اسماعیل رکھا۔ اس نام کا مطلب ہے کہ 'اِیل' یعنی اللہ تعالیٰ نے سنا۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان انبیا کے زمانے میں اس بات پر کوئی ممانعت نہیں کی بلکہ قرآن میں ان دونوں ناموں کو ذکر کر کے قیامت تک اس حقیقت پر مہر صداقت ثبت کر دی کہ کسی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لیے جو لفظ بھی رائج ہے، اللہ تعالیٰ کو وہ قبول ہے۔ چاہے وہ عربی لفظ ہو یا عبرانی، ہندی ہو یا یونانی، اردو ہو یا فارسی۔ اللہ کی کوئی زبان نہیں۔ ساری زبانیں اسی کی ہیں۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے عربی کے علاوہ کسی اور زبان کے لفظ کے استعمال پر کوئی اعتراض نہیں ہے وگرنہ لازماً قرآن ان پیغمبروں کے نام بدل کر استعمال کرتا یا انہی پیغمبروں کے زمانے میں ان کے ناموں کی تصحیح کرا دیتا۔

لفظ خدا کے مبینہ عیوب

عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لفظ خدا میں بڑی شرعی قباحتیں ہیں۔ مثلاً یہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں اس کی جمع بھی استعمال ہوتی ہے۔ یہ فارسی میں بدی کی طاقت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

آیئے لفظ خدا پر ان اعتراضات کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ اردو زبان میں لفظ 'خدا' جب تنہا استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد وہی ہستی ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ہم نے اردو زبان میں خدا کے معنی کے تحت بیان کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ بدی کی طاقت کے لیے فارسی زبان میں لفظ اہرمن استعمال ہوتا ہے نہ کہ خدا کا لفظ۔ خدا کا لفظ تنہا جب کبھی آتا ہے اس کے معنی کبھی بدی کے خدا کے نہیں ہوتے۔ تاہم اردو اور فارسی زبان میں لفظ خدا مالک، بادشاہ اور آقا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں لفظ خدا کے ساتھ کوئی اور لفظ ملتا ہے اور غیر اللہ کے لیے استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسے فارسی میں بدی کی طاقت کو خدائے اہرمن کہتے ہیں۔ اسی طرح اردو زبان میں میر تقی میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ خدا کے لفظ کی جمع بھی اردو زبان میں مستعمل ہے۔

مگر کیا ان وجوہات کی بنا پر لفظ خدا کا استعمال غلط ہو گیا۔ ہرگز نہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لیے عربی کا ایک ایسا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے، جس میں نہ صرف یہ سارے شرعی عیب پائے

جاتے ہیں، بلکہ کچھ مزید عیب ہیں جو لفظ خدا میں نہیں ہیں۔ آ یئے دیکھتے ہیں وہ کیا لفظ ہے۔

قرآن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کو رب کہا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں منقول بے شمار دعائیں اس لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ مگر یہ لفظ انسان کے لیے عربی میں عام استعمال ہوتا ہے اور قرآن کریم نے بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً سورہ یوسف میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام سے دو قیدیوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے تعبیر دیتے وقت ان کے آقا کے لیے جو لفظ کہا، قرآن نے اس کے لیے 'رب' کا لفظ استعمال کیا۔

''اما احد کما فیسقی ربه خمراً'' (یوسف 41:12)

''تم میں ایک اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔''

اسی آیت سے ذرا قبل ہی اس لفظ کی جمع ''ارباب''، اہل مصر کے ان دیوی دیوتاؤں کے لیے استعمال کی گئی، جنہیں اہل مصر پوجتے تھے۔

ء ارباب متفرقون خیر ام الله الواحد القهارَ(یوسف 39:12)

''کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔''

جمع کے علاوہ اس لفظ کی مونث بھی عربی میں مستعمل ہے جبکہ لفظ خدا کم از کم اس عیب سے تو بری ہے۔ ایک بہت مشہور حدیث جسے حدیثِ جبریل کہا جاتا ہے، اس کے الفاظ ہیں۔

ان تلد الامة ربتها (مسلم رقم 8)

''(قیامت کی ایک نشانی یہ ہے) کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی۔''

جب اس سب کے باوجود قرآن نے بلا جھجک اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا ہے تو خدا کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ یاد رہے کہ موجودہ اردو زبان میں یہ لفظ اب اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہو چکا ہے۔ جسے اس بات میں شبہ ہو وہ اپنے استاد، دفتر یا دکان کے

مالک یا صدر مملکت کو اس لفظ سے پکارے اور دیکھے کہ ارد گرد کے لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

مسئلہ دعوتِ دین کا ہے

ہمارے ہاں بغیر کسی معقول اور روشن دلیل کے یہ نقطہ نظر قائم کر لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ کے سوا کوئی اور لفظ استعمال کرنا غلط ہے۔ ہمارے نزدیک اس قسم کا نقطہ نظر اللہ تعالیٰ کو اپنا قومی معبود قرار دینے کے ہم معنی ہے۔ جس کے نتیجے میں اسلامی دعوت کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ اس کے بعد ایک مسلمان جب دعوت دین کے لیے اٹھے گا تو وہ کسی انگریز عیسائی کو یہ بتائے گا کہ تم جس ہستی کو God کہتے ہو بالکل غلط ہے۔ تمھیں میرے اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔ اسی طرح وہ ایک ہندو سے کہے گا کہ تم ایشور (سنسکرت میں اللہ تعالیٰ کا نام) کے ماننے والے ہو جبکہ تمھیں اللہ کو ماننا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں دوسرا فریق یہ سمجھے گا کہ مجھے میرے معبود سے ہٹا کر کسی اور معبود کی طرف لایا جا رہا ہے۔ پھر اس کے دل میں ایک اجنبیت اور وحشت پیدا ہوگی اور عین ممکن ہے کہ یہی اجنبیت قبول حق کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔

یہی سبب ہے کہ انبیا کا طریقہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ کبھی نام پر بحث نہیں کرتے، شرک پر بحث کرتے ہیں۔ ان صفات پر بحث کرتے ہیں جو اللہ سے منسوب کر دی جاتی ہیں۔ آپ قرآن میں کبھی اس گفتگو کو پڑھیے جو انبیا و رسل اور ان کی اقوام کے بیچ میں ہوئی ہے۔ اس میں سارا زور توحید کو منوانے پر ہے۔ قرآن بیان کرتا ہے کہ تمام رسول اپنی قوم کی زبان ہی بولتے تھے۔ (ابراہیم 4:14)۔ ان رسولوں کی اقوام اپنی زبان میں یقیناً اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی نام سے پکارتی ہوں گی۔ وہ رسول بھی اسی نام سے اللہ کو پکارتے تھے۔ مگر وہ کہتے تھے کہ تم جسے رب العالمین مانتے ہو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تنہا اسی کی عبادت کرو۔

آج ہمارے لیے بھی یہی طریقہ آئیڈیل ہے۔ اور ہم اس طریقے پر تب ہی عمل

کر سکتے ہیں جب ہم ظواہر پرستی سے باہر نکل کر یہ جان سکیں کہ اللہ ایک ہے اور سارے اچھے نام اسی کے ہیں۔ پھر یہ ممکن ہو گا کہ ایک امریکی کو ہم یہ بتا سکیں گے کہ تم God کی عبادت کرتے رہو، لیکن اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ کسی کو اس کا بیٹا اور بیوی نہ قرار دو۔ ایک ہندو کو ہم بتا سکیں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ خالق کائنات ایشور ہی ہے مگر دیکھو اس کے ساتھ کسی دیوی دیوتا یا اوتار کو معبود نہ مانو۔

اس کے بعد وہ شخص جب اسلام قبول کر کے نماز پڑھے گا، قرآن پڑھے گا، دین کے مقرر کردہ دیگر اعمال ادا کرے گا تو وہاں وہ اللہ ہی کا نام لے گا۔ مگر یہ حق کسی کو نہیں کہ وہ اس کی زبان بدلوانے کی کوشش کرے۔ اسے اجازت ملنی چاہیے کہ وہ اپنی زبان میں اللہ کو جو چاہے کہہ کر پکارے۔ کیوں کہ سارے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔ یہ حق اسے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور کوئی اس سے اس کا یہ حق نہیں چھین سکتا۔

صبح کی دعا:

اَللّٰھُمَّ مَآاَصۡبَحَ بِیۡ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ اَوۡ بِاَحَدٍ مِّنۡ خَلۡقِكَ فَمِنۡكَ وَحۡدَكَ لَا شَرِیۡكَ لَكَ فَلَكَ الۡحَمۡدُ وَلَكَ الشُّكۡرُ۔

”یا اللہ! جو نعمت بھی صبح کے وقت مجھے یا کسی دوسری مخلوق کو ملتی ہے، وہ صرف اور صرف تیرا ہی عطیہ ہوتی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہر طرح کی تعریف اور تمام شکر تیرے ہی لیے ہے۔“

When Life Begins

English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee

A Book that created ripples through out the World

A Writing that was read by Millions

A Book that changed many Lives

A Writing that has become a Movement

A Comprehensive sketch of the World and Life in the Hereafter in the form of an interesting Novel

A Book that will strengthen your Faith in God and Hereafter

The first book of its kind in the world of Literature

For more information, please call:

(92) 3323 051 201

بس یہی دل

ابو یحیٰ کے قلم سے نکلے ہوئے وہ مضامین جو ایمان و اخلاق کی اسلامی دعوت کا بھرپور اور موثر بیان ہیں۔ دلنشین اسلوب میں لکھی گئی ایسی تحریریں جنھیں پڑھ کر آپ دل کے دروازے پر ایمان کی دستک سن سکھیں گے۔

االله تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب

ایمان کا اثر معاملات زندگی

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا قال لاایمان لمن لا امانة له ولادین لمن عھد له۔(مشکوٰۃ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی خطبہ دیا، اس میں یہ ضرور فرمایا کہ جس کے اندر امانت نہیں، اس کے اندر ایمان نہیں اور جسے عہد کا پاس نہیں، اس کے پاس دین نہیں ہے۔

ایمان کا اثر اخلاق پر

عن عمرو بن عبسة قال قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماالایمان قال الصبر والسماحة۔(مسلم)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ایمان نام ہے صبر اور سماحت کا۔

ایمان کامل کی علامات

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔(بخاری، عن ابوامامہؓ)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے لیے دوستی کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک رکھا، اس نے اپنے ایمان کو مکمل کیا۔

حلاوت ایمان کا حصول

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاق طعم الایمان من رضی اللہ ربا وبا لاسلام دینا وبمحمد رسولا۔(بخاری ومسلم عن عباسؓ)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایمان کا مزہ چکھا اس شخص نے جو اللہ کو اپنا رب ماننے اور اسلام کو اپنا دین ماننے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا۔

(ایک بندۂ خدا)